لایق جونپوری کی مثنوی سادہ پُر کار:
بیدل کی تصنیف ہونے کی تردید

عارف نوشاہی*

کسی ایک مصنف کی تصنیف کا دوسرے مصنف سے منسوب اور مشہور ہو جانا، ادب کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کے بہت سے علل و اسباب رہے ہیں۔ ایک بڑی وجہ، مصنفوں کے ناموں میں شباہت اور یکسانیت ہے۔ ہم نامی سے دھوکا کھا جانا اور غیر ارادی طور پر، تحقیق و تفتیش کیے بغیر، کسی ایک کی تصنیف کو دوسرے سے منسوب کر دینا اتنا سنگین ادبی جرم نہیں ہے، جتنا یہ کہ ناموں میں قطعاً کوئی مشابہت نہ ہو اور اصل مصنف بھی معلوم ہو، اس کے باوجود اسے کسی دوسرے شخص سے منسوب کر دیا جائے۔ ایسے فعل کو سوائے کم علمی، کم فکری، ادبی تعصب و تساہل کے، اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟

اِس وقت ایک ایسی ہی کتاب ہمارے سامنے ہے جسے منظومۂ شاہکار فارسی کے طور پر شائع کیا گیا ہے۔ اس کے سرورق پر مثنوی سادہ پر کار مصنفہ مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی لکھا ہے۔ اسے صاحب زادہ عبدالمعید خان، ڈائریکٹر راجستھان مولانا ابوالکلام آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک نے اپنے ۲۶ صفحات پر مشتمل فارسی مقدمے کے ساتھ، ۲۰۱۱ء میں مذکورہ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے شائع کیا ہے۔ اس مثنوی کا مخطوطہ (شمارہ ۳۹۴۵) عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک میں موجود ہے اور یہ اس کا عکسی (facsimile) ایڈیشن ہے۔ ابتدائی ۳۲ صفحات فہرست اور مقدمے پر مشتمل ہیں، صفحہ ۳۳ تا ۱۸۸ مثنوی کے قلمی نسخے کا عکس ہے۔ بد قسمتی سے اس مخطوطے میں کچھ صفحات سفید ہیں اور یہ پیش نظر مطبوعہ نسخے میں بھی خالی چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ سفید صفحات یہ ہیں: ۳۷ تا ۴۰؛ ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۶۔ بعض مقامات پر کچھ مصرعے کاتب نے آدھے آدھے لکھے ہیں (دیکھیے صفحات ۳۵، ۱۸۷) جو اسی طرح نامکمل شائع ہوئے ہیں۔

یہ مثنوی تصوّف اور اخلاق کے مضامین پر مشتمل ہے جن کی مزید تفہیم اور تشریح کے لیے شاعر نے حکایات بیان کی ہیں۔ ناشر نے ابتدا میں صفحات ۳ تا ۶ پر مثنوی کے مضامین کی فہرست شامل کی ہے۔

* مصنف و محقق، ادارہ معارفِ نوشاہی، اسلام آباد

چوں کہ مخطوطۂ ٹونک کے ترقیمے میں کاتب نے اسے میرزا عبد القادر بیدل (۱۰۵۴-۴ صفر ۱۱۳۳ھ) کی تصنیف بتایا ہے، صاحب زادہ عبد المعید خان نے بھی اسے آنکھیں بند کر کے بیدل کی تصنیف کے طور پر پیش کیا ہے اور کتاب پر اپنے مقدمے میں سارا زور قدیم دستیاب تذکروں اور شائع شدہ مضامین سے اقتباس شدہ بیدل کے حالات دہرانے پر لگا دیا ہے اور خود سے کوئی نئی بات نہیں لکھی، نہ ہی مثنوی کے مندرجات پر تبصرہ کیا ہے۔ البتہ یہ کہ نسخہ کس طرح ان کے زیر انتظام انسٹی ٹیوٹ تک پہنچا؟ اس پر خوب خوب معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ واضح رہے کہ یہ نسخہ پہلے احترام الدین احمد شاغل عثمانی جے پوری مصنف صحیفۂ خوشنویسان (وفات: ۱۹۷۱ء) کی ملکیت تھا اور ان کے بیٹے ڈاکٹر ابو الفیض عثمانی نے اسے انسٹی ٹیوٹ کو بخش دیا۔

صاحب زادہ عبد المعید خان ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ریو اور ایتھے نے اپنی فہرستوں (علی الترتیب برٹش میوزیم اور انڈیا آفس، لندن کے فارسی مخطوطات کی فہرستیں) میں بیدل کی دیگر مثنویات کا ذکر تو کیا ہے لیکن مثنوی سادہ پر کار کا ذکر نہیں کرتے، اس لیے ٹونک کا نسخہ منحصر بفرد ہے![۲]

مخطوطۂ ٹونک کے ترقیمے کی عبارت یہ ہے:

"تمت تمام شد نسخۂ سادہ پر کار من تصنیف میرزا عبد القادر بیدل سلمہ اللہ ابقاہ"

نسخے پر تاریخ کتابت نہیں ہے۔ اگر ترقیمے کی عبارت میں بیدل کے نام کے ساتھ "سلمہ اللہ ابقاہ" کا دعائیہ جملہ کاتب کی طرف سے کوئی تزویر و فریب نہیں ہے، تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ نسخہ بیدل کی وفات ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۰ء سے پہلے پہلے کتابت ہوا ہے۔ تزویر اور فریب والی بات ہم نے کیوں کی؟ اس کا جواب آگے چل کر ملے گا، جہاں اس نسخے کے کاتب کے ایک فریب کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ نسخے میں دو مہریں بھی ثبت ہیں۔ ایک میں "قدرت اللہ" اور دوسری میں "نعمت اللہ" کندہ ہے (دیکھیے صفحات ۳۴، ۱۸۶، ۱۸۷)۔ دونوں مہریں معمولی خط میں بلا تاریخ ہیں۔

ہمارے اس مقالے کا بنیادی مقصد اس مثنوی کے اصل مصنف کا تعین کرنا ہے، لیکن مثنوی کا مطالعہ کرتے وقت ضمناً اس کے اصل مصنف (شاعر) کے حالات اور مثنوی کے کچھ مضامین کا تعارف بھی آ جائے گا۔

(I)

مثنوی میں بکثرت ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی "لایق" تخلص شاعر کی ہے۔ یہ تخلص اس مثنوی میں پچاس سے زائد مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

می رسد از قافلہ بانگ جرس
"لایق" اگر مردِ رہی زود رس[۳]

"لایق" دل خستۂ ناکردہ کار
هست به انعام تو امیدوار[4]

دیدۂ "لایق" ز رُخت بر فروز
سینه اش از آتش حسرت مسوز[5]

"لایق" اگر اهل دلی، خیر کن
در چمنِ رحمت حق سیر کن[6]

"لایق" ازین کار دلت شاد باد
از حسن این داد و ستد یاد باد[7]

"لایق" ازین نظم که جان پرور است
سامعه بر ناطقه تحسین گر است[8]

(II)

مثنوی کا عنوان سادہ پر کار اس شعر میں آیا ہے:

سادہ **پرکار** کنم نام این
تا رسد آغاز به انجام این[9]

ایک اور مقام پر بھی نام کا اشارہ موجود ہے اگرچہ سیاق و سباق کچھ اور ہے۔ شاعر نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک رات وہ افکار کی انجمن سجائے بیٹھا تھا کہ دروازے سے اچانک سید عبدالجلیل وارد ہوئے جو اہل خرد کو شعر و سخن کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔ جب انھوں نے مجھے فکر سخن میں محو دیکھا تو نصیحت کی کہ بات سادہ اور پرکار ہونی چاہیے:

گفت سخن ساده و پُرکار به
تاب کشِ سبحه و زنّار به

بس بود از بهر سخن در گوا
معنی بیگانه و لفظ آشنا[10]

(III)

شاعر نے اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ (۱۰۶۸۔۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء) کی خوب مدح کی ہے اور اس کی یکے

بعد دیگرے مختلف علاقوں (تلنگانہ، گلکنڈہ، بیجاپور) کی فتوحات کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور اس کے طرزِ حکمرانی کو سراہا ہے۔ شاعر نے اورنگ زیب کی عمر ستر سال سے اوپر بتائی ہے اور اسے ایک سو بیس سال تک جینے کی دعا دی ہے جس کا ہر دس سال سو سال کے برابر ہوں۔ شاعر نے بادشاہ سے کچھ اپنی وابستگی کا ذکر بھی کیا ہے:

بحر کرم، خسرو گردون نہیب
بادشہ تاجوَر اورنگ زیب
روز و شبش صرفِ عبادت شدہ
خاتمۂ کار سعادت شدہ
چون غضبش تیغ سیاست کشید
رنگ فساد از رخ عالم پرید
زندگیش گرچہ ز ہفتاد سال
پیش نہادہ است قدم را بفال
عمر طبیعش دہد روزگار
تا بصد و بیست رساند شمار
ہر دہِ اُو روکشِ صد سال باد
درگہ او کعبۂ آمال باد
"لایق" ما ہست کہن بندہ باش
بہرہ ور از دولت پایندہ باش[i]

یہاں تک ہمیں اس مثنوی کے شاعر کے بارے میں تین واضح اشارے مل چکے ہیں:

الف: اس کا تخلص "لایق" ہے۔

ب: وہ اورنگ زیب کے زمانے میں زندہ ہے اور شاید اس سے وابستہ بھی۔ اورنگ زیب کی عمر ستر سال سے اوپر بتاتا ہے جو ۱۰۹۷ھ / ۱۶۸۸ء کے لگ بھگ زمانہ ہوتا ہے۔

ج: وہ سید عبد الجلیل سے شعر و سخن میں راہ نمائی لیتا ہے۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ان تین اشاروں کو کس شاعر پر منطبق کیا جاسکتا ہے جس کا تخلص "لایق" ہو، وہ اورنگ زیب عالمگیر کا معاصر ہو اور سید عبد الجلیل نامی شخص سے تعلق بھی رکھتا ہو؟

برّ صغیر میں "لایق" تخلص کے کئی شعرا گذرے ہیں، جیسے: میر محمد مراد لایق جونپوری، محمد حسین لایق ٹھٹھوی، غلام حسین خان لایق عظیم آبادی، پنڈت جے گوپال لایق کشمیری، غلام دستگیر غیاث لایق ہندوستانی، لایق سیوستانی، گنیش داس لایق، لالہ کنج بہاری لال لایق، زین العابدین خان لایق حیدرآبادی۔[11]

"لایق" تخلص والے مذکورہ تمام شعرا میں سے یہ اشارات اگر کسی پر منطبق ہوتے اور صادق آتے ہیں تو وہ میر محمد مراد جونپوری متخلص بہ "لایق" ہیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶۔۱۲۰۰ھ / ۱۷۰۴۔۱۷۸۶ء) نے سرو آزاد میں میر عبدالجلیل بلگرامی (۱۰۷۱۔ ۱۱۳۸ھ / ۱۶۶۰۔ ۱۷۲۵ء) کے حالات کے ضمن میں لایق کے جو حالات لکھے ہیں، اس میں اسی مثنوی کے اشعار نقل ہوئے ہیں۔[12] جس سے پورا معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ سادہ پرکار لایق جونپوری کی مثنوی ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں لچھمی نراین شفیق اورنگ آبادی نے گل رعنا، حسین قلی خان عاشقی عظیم آبادی نے نشتر عشق، بھگوان داس ہندی نے حدیقہ ہندی، نواب صدیق حسن خان نے شمع انجمن، افتخار دولت آبادی نے تذکرۂ بے نظیر، محمد صادق خان اختر نے آفتاب عالمتاب، میرن جان محمدی الہ آبادی نے خازن الشعرا اور مولوی آغا احمد علی احمد نے ہفت آسمان میں لایق کے ترجمے میں اسی مثنوی کے وہی اشعار درج کیے ہیں جو آزاد بلگرامی نے کیے ہیں۔

آزاد نے لایق جونپوری کے بارے میں جو لکھا ہے کم و بیش اسے ہی بعد کے تذکروں نے نقل کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

میر محمد مراد نام، لایق تخلص، جونپور وطن، کچھ عرصہ عہد عالمگیر میں لاہور میں وقایع نویس رہے۔ عین جوانی میں انھیں میرزا صائب[13] کی ملاقات اور ان سے استفادے کا شوق دل میں چرایا تو پا پیادہ اصفہان پہنچ گئے۔ میرزا صائب کو جب یہ معلوم ہوا کہ لایق نے اتنا لمبا سفر محض ان کی ملاقات کے لیے کیا ہے تو بہت متاثر ہوئے اور لایق کو اپنے خاص کمرے میں ٹھہرایا اور ان کی بہت مہمان داری اور دل جوئی کی اور بہت مہربانی سے پیش آئے۔ لایق کے کلام کو لایقِ تحسین قرار دیا۔ اس کے بعد لایق واپس دہلی آ گئے۔ ایک دن لایق میر عبدالجلیل بلگرامی کو صائب سے اپنی صحبتوں کے قصے سنا رہے تھے۔ کہنے لگے میں نے صائب کو کبھی شعر کہنے کے لیے متفکّر نہ پایا۔ ہاں ایک روز صائب چمن میں ٹہل رہے تھے تو ان کے چہرے پر تفکر کے آثار نظر آئے۔ لایق نے پوچھا استاد اس وقت کچھ سوچ رہے ہیں؟ ہنس کر فرمایا ہاں فردوسی کا ایک شعر ذہن میں آیا ہے جس کا جواب حکیم شفائی اصفہانی[14] نے دیا ہے، چاہتا ہوں میں بھی اس کا اچھا سا جواب لکھوں۔ لایق نے کہا آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں، صائب نے اجازت دے دی۔ لایق شب بھر غور و فکر کرتے رہے اور ایک شعر موزوں کر کے اگلی صبح صائب کو پیش کر دیا۔ صائب نے اسے

بے حد پسند فرمایا۔

لایق کا میر عبدالجلیل واسطی بلگرامی سے ربط و ضبط تھا اور انھی کے کہنے پر نظامی گنجوی کے خمسے کا جواب لکھا تھا۔ جیسا کہ مخزن اسرار کے جواب میں اپنی ایک مثنوی کے خاتمے میں تصریح کرتے ہیں:

راقمِ این نامۂ معنی سواد
محوِ سخن بندہ محمد مراد
بود شبی انجمن آرای فکر
داشت سری گرم ز سودای فکر
یافتہ از قیدِ تعلق خلاص
خامہ بکف منتظرِ فیضِ خاص
چہرہ طراز گل افسانہ ای
دام نہِ معنی بیگانہ ای
پنجۂ اندیشۂ اعجاز فن
شانہ کشِ زلف بتانِ سخن
قطرہ ای از ابر سخن ریختی
موج گہر از دلم انگیختی
خستہ دلم در ہوس مرہمی
جان گرو آرزوی ہمدمی
از درم القصّہ درآمد درون
اہلِ سخن [:خرد] را بہ سخن رہنمون
نشۂ سرخوشِ خمستانِ ہوش
از پی تحقیقِ سخن چشم و گوش
صورت او گشتہ بہ معنی دلیل
سیّدِ علامۂ عبدالجلیل
کردہ بہ موزونیِ طبع سلیم

طالبِ خویشم چو کلامِ کلیم
می دہد از لفظ بہ معنی پیام
زود تر از نکہت گل با مشام
می برد از طرز بہ مطلب سراغ
گرم تر از نشئۂ می با دماغ
دید کہ فکرِ سخنم پیشہ است
دل گروِ صورت [:معنی] اندیشہ است
گفت سخنِ سادہ و پُرکار بہ
تاب کشِ سبحہ و زنّار بہ
بس بود از بہر سخنور گوا
معنی بیگانہ و لفظ آشنا
گفتن او فکر مرا تازہ کرد
روی سخن را بہ نفس غازہ کرد
شد ز پری خانۂ دل جلوہ گر
خیل معانی ز پی یکدگر
جرعہ کشِ بزمِ اویسی شدم
پنجہ در خمسہ نویسی شدم
خامہ بہ تحریر گرو ساختم
نقش دلاویز بپرداختم
از مدد باطنی گنجوی
طرز سخن یافت ز فکرم نوی"[۱۵]

تذکرہ نگاروں نے لایق کی جس مثنوی کو مخزن اسرار کا جواب کہا ہے وہ یہی سادہ پر کار ہے۔ آزاد، شفیق، اختر، محمد میرن جان اور مولوی احمد علی کے ہاں منقولہ اشعار، نسخۂ ٹونک کے ص۱۸۷۔۱۸۸ عنوان "[در] خاتمہ گوید" میں موجود ہیں۔

اب یہاں ایک نئی بحث کا در وا ہوتا ہے۔ کیا نسخۂ ٹونک کا کاتب تحریف کا مرتکب ہوا ہے؟ کیوں کہ جس شعر میں محمد مراد کا نام تھا وہاں اس نے بیدل کا نام ڈال دیا ہے۔

آزاد اور شفیق نے یہ شعر اس طرح لکھا ہے:

راقم　این　نامۂ　معنی　سواد
محو　سخن　بندہ　محمد　مراد

نسخۂ ٹونک میں یہ شعر اس طرح ہے:

بیدل　این　نامۂ　معنی　سواد
محو　سخن　بندۂ　بیدل　نہاد

نسخۂ ٹونک کے کاتب نے نہ صرف شعر کو بدلا ہے بلکہ اس کا مفہوم بھی غتربود کر دیا ہے۔

آزاد اور شفیق کے منقولہ کچھ اور اشعار کا بھی نسخۂ ٹونک سے جزوی اختلاف ہے جو مخطوطات نویسی میں معمول کی بات ہے۔ لیکن نام کو یکسر بدل دینا دوسرا معاملہ ہے۔ ویسے بھی نسخۂ ٹونک کا کاتب غلط نویس ہے، اس لیے یہ اختلافات زیادہ قابل ذکر نہیں ہیں، جیسے سید عبد الجلیل کے نام والا مصراع نسخۂ ٹونک میں بالکل مہمل شکل میں اس طرح آیا ہے:

سید　بی　ساختہ　عندالجلیل[16]

شاہ علی کبیر محمد میرن جان محمدی الہ آبادی (ولادت: ۲۸ محرم ۱۲۱۲/ ۲۴ جولائی ۱۷۹۷ء۔ وفات نامعلوم) نے تذکرۂ خازن الشعرا (تکمیل: ۱۲۶۵ھ /۱۸۴۹ء) میں لکھا ہے کہ لایق "بعضی از حضرات ما ہم ملاقات داشت"،[17] یعنی لایق کی مصنف کے خاندان کے بعض حضرات سے بھی ملاقات تھی۔ علما، فضلا، شعرا اور مشائخ کا یہ خاندان الہ آباد میں آباد تھا۔ خازن الشعراء انھی حضرات کا تذکرہ ہے۔ اس تذکرے کی مدد سے لایق کے معاصر الہ آبادی حضرات کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔

(IV)

اس مثنوی میں ہمیں شاعر کے بارے میں کچھ اور اشارات بھی ملتے ہیں جن کی طرف صاحب زادہ عبد المعید خان نے قطعاً توجہ نہیں کی۔

لایق نے یہ مثنوی لکھتے وقت اپنی عمر پینسٹھ سال بتائی ہے:

سال من از شصت فزون گشت پنج
یک نفسم صرف نشد جز به رنج[18]

اور وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ انھیں اپنی گراں مایہ عمر ضائع ہونے کا افسوس ہے۔ وہ اپنی جوانی کے زمانے کی تلخیوں کو یاد کرتے ہیں:

عمر گراں مایہ ز کف دادہ ام
دست تہی بر درت استادہ ام
عیش جوانی اگرم تلخ بود
ہر مہ او غرۂ بی سلخ بود
تلخ مکن عیشِ منِ پیر را
چاشنی دِہ ز شکّر شیر را
پیر شدم حسن عمل دِہ مرا
کوتہی طولِ امل دِہ مرا[19]

ایک جگہ اگرچہ اپنے بوڑھے ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن کہا ہے کہ ان کی باتیں جوانوں جیسی ہیں:

با ہمہ پیری سخنان جوان
کوس جوانی زدم در جہان[20]

لایق بے خانماں بھی ہیں اور غریب الوطنی نے انھیں شہروں شہروں پھرایا ہے:

نیست غریبی چو من اندر جہان
روز بہ شب کردہ بی خانمان
حرف سکونت نشنیدہ ز دہر
غربتم از شہر برَد سوی شہر
باد کہ چون قترہ زدن شاد نیست[21]
خانہ بدوش چو منش یاد نیست[22]

وہ خدا سے التجا کرتے ہیں کہ فراغت کے لیے کوئی گوشہ اور توشۂ قناعت مل جائے، سامان زندگی اکٹھا کرنے کے لیے لوگوں کا منت کش نہ بنائے۔ خود کو سمجھاتے ہیں کہ کسب معاش کے لیے اب کمینے لوگوں کے دروازے پر

اس سے زیادہ نہیں جایا جا سکتا۔ مال بڑھانے کے لیے کیوں دردِ سر اٹھایا جائے، گذر اوقات کے لیے جو میسر ہے، کافی ہے:

گوشہ ای از بہر فراغت دہم
توشہ ای از گنج قناعت دہم
از پی گردآوری برگ و ساز
بارکشِ منّت مردم مساز
لایق ازین بیش بہ کسب معاش
چند کنی بر درِ دونان تلاش
بہر فزونی چہ کشی دردِ سر
سدّ رمق ہست، سخن مختصر[۲۳]

لایق شیعہ مذہب معلوم ہوتے ہیں۔ ایک پوری نظم دراسرار دل گوید جو چھتیس اشعار پر مشتمل ہے، بارہ اماموں کی مدح، ان کی امامت، امام مہدی کی غیبت اور ان کے دوبارہ ظہور کے بیان میں ہے۔ اہل بیت اور ائمہ کی مدح میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

گر دلت از شائبہ صافی بوَد
پنج تن از بہر تو کافی بوَد
چند دلت گرم لعل است و لیت
بس بوَدت دوستی اہل بیت
مہر علی حرز دل و جان ماست
پیرویش مایۂ ایمان ماست
نزد من از ہر چہ کہ آن دلکش است
دوستیِ آل محمد خوش است[۲۴]

امام مہدی کے بارے میں:

حجّت حق شاہ دل آگاہ اوست
قائم آل نبی اللہ اوست

مصلحت وقت بران داردش
کز نظر خلق نہان داردش
وقت ظہورش چو رسد بی خلاف
تیغ سیاست کشد از غلاف[۲۵]

لایق نے صرف ایک شعر میں سر سری طور پر چار یاروں کا ذکر کیا ہے کہ نبی اور چار یاروں کی حبّ کے سوا پروردگار کی خوشنودی کسی اور چیز میں نہیں ہے:

باعث خشنودی پروردگار
نیست بجز حبّ نبی و چہار[۲۶]

لایق صحابہ کی حرمت کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ محبت آزمودہ لوگوں کی روش میں اصحاب کے لیے کینہ رکھنا [نیک] شگون نہیں ہے:

در روشِ مردمِ مہر آزمون
کینۂ اصحاب ندارد شگون[۲۷]

ایک جگہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی حکایت میں حضرت عمر کے عدل کی طرف اشارہ کیا ہے:

خسرو دین والی والا تمیز
نور دل و دیدۂ عبد العزیز
ہمچو عمر عدل سیَر بودہ است
طرفہ کہ ہم نامِ عمر بودہ است[۲۸]

لایق کے کچھ اور اشعار میں بھی بارہ اماموں / آل محمد سے محبت و مودّت کا ذکر ہوا ہے (دیکھیے صفحات ۶۴۔ ۶۵)۔ شاعر کے تشیّع کی طرف رجحان کے کچھ اور شواہد بھی مثنوی میں موجود ہیں، جیسے ایک حکایت درج کی ہے کہ کسی مومن نے خواب میں دیکھا کہ حوض کوثر کے کنارے رسول اللہ حضرت علی، فاطمہ، حسن و حسین کے ساتھ بیٹھے ہیں اور سب میں پانی تقسیم کر رہے ہیں، اس مومن نے بھی پانی مانگا تو آنحضرت نے فرمایا تمہیں پانی نہیں ملے گا کیوں کہ تمھارے ہم سائے میں ایک خارجی رہتا ہے جو شب و روز سبّ علی کرتا ہے اور تم اسے منع نہیں کرتے۔ چناں چہ وہ مومن گیا اور اس خارجی کو قتل کر دیا۔[۲۹]

چوں کہ یہ مثنوی نظامی گنجوی کے خمسے کی مثنوی مخزن اسرار کے جواب میں ہے، اس لیے ایک نظم "استفاضہ

از روح نظامی گنجوی" لکھی ہے۔ اس میں لایق ایک تخیلاتی واقعہ بتاتے ہیں کہ ایک شب وہ دل گرفتہ تھے اور رو رو کر رات گذاری۔ سحر کو دل بہلانے کے لیے باغ کی طرف نکل گئے، وہاں کچھ لوگوں نے بزم سخن سجائی ہوئی تھی اور درمیان میں ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ شاعر نے ایک حلقہ نشین سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ اس نے بتایا نظامی ہیں:

گفت نظامی است سخن زندہ کن
خسروِ عیسی دمِ ملک سخن[30]

شاعر نے ادب سے سر جھکا کر سلام کیا تو نظامی نے انھیں گلے لگالیا اور توجہ کی، ان کے دل کو مخزن اسرار کر دیا اور پھر قلم اٹھا کر خود شاعر کے خمسہ لکھنے کا نقشہ کھینچا اور تاکید کی کہ اس خیال سے روگردانی مت کرنا۔ اس سے شاعر کو اشارہ ملا کہ اسے خمسہ (پانچ مثنویاں) لکھنا چاہیے:

روی توجہ بہ منِ زار کرد
گوش دلم مخزن اسرار کرد
خامہ ای برداشتہ پیشم نوشت
طرح کشِ خمسۂ خویشم نوشت
گفت ازین فکر مگردان ورق
واقف دل باش ہستت [این] سبق[31]

شاعر کو نظامی کی ان باتوں سے بہت تقویت ملی اور انھوں نے ارادہ کر لیا کہ اگر انھیں ضروری مشاغل سے فرصت مل گئی تو وہ ضرور مثنوی لکھیں گے اور اس کا نام سادہ پرکار رکھیں گے:

بس کہ سخن روی بہ من کردہ است
روی سخن رنگ برآوردہ است
گر بوَد از شغل ضرورم فراغ[32]
می شود این نامہ دل افروز باغ
سادہ پرکار کنم نام این
تا رسد آغاز بہ انجام این[33]

لایق سے پہلے نظامی، خسرو اور جامی خمسے لکھ چکے تھے، لایق کو ان تینوں شعرا کا احترام ہے اور کہتے ہیں کہ ان کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں ہے:

من ز کجا، خسرو و جامی کجا
پایگہ نظم نظامی کجا
از سر انصاف بجز کم زدن
پیش بزرگان نتوان دم زدن[۳۴]

کچھ ایسے اشارے بھی ہیں کہ لایق کسی نقشبندی شیخ کے نیاز مند یا عقیدت گزار ہیں۔ ان کا نام تو نہیں لیا لیکن تمام اشارات نقشبندی سلسلے کے ہیں۔ شاعر نے واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دن وہ باغ کی سیر کو گئے تو وہاں "خواجہ روشن گہر آن نقشبند" ملے، شاعر نے ان کی قدم بوسی کی:

بوسہ زدم بر قدم پیر خویش
سر بہ تہہ از خجلت تقصیر خویش[۳۵]

اس شیخ کی صفات ذکر خفی اور پاس انفاس پر کاربند رہنا بتایا ہے۔[۳۶] یہی طریقۂ نقشبندیہ کا اصول ہے۔ یہ شیخ خرقہ اور کلاہ کی طلب کے لیے بخارا گئے اور وہاں سے یہ چیزیں حاصل کر کے لائے۔

لایق نے اس مثنوی میں اپنے چند معاصر بزرگوں اور دوستوں کی تعریف میں الگ الگ نظمیں لکھیں ہیں، جیسے: در تعریف سید عالی نسب، والا حسب، سید محمد شفیع سلمہ اللہ تعالی،[۳۷] در تعریف احوال صاحب فقر و فنا، محمد رضا[۳۸]۔ لایق نے سید محمد شفیع کی جملہ خوبیوں کی تعریف کی ہے۔ یہ اشعار پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر جامع الصفات علمی اور روحانی شخصیت تھے۔ ان کا دہلی میں نہر کے کنارے دائرہ تھا۔ اس حوالے سے شاعر دہلی کے لیے بھی دعا گو ہیں:

سیّد دانا دلِ عرفان صفات
تشنہ لبان را دم آب حیات
پایۂ عرفان ز وجودش رفیع
میر صفا کیش محمد شفیع
فقہ چو با او سر و کارش فتاد
رنگ بر آورد، کُلہ کج نہاد
منطق ازو قوّت نقلی گرفت
حکمت ازو ہئیات عقلی گرفت

نقد سخن راست درین روزگار
طبع دقیقش محک اعتبار
چون ره دشوار پسندی رود
طعنه بر اشعار خجندی زند
می رسدش وقت سخن گستری
مهر بلب بوالفرج و انوری
در همه فن یک فنی عالم است
خاصه در اخلاق نظیرش کم است
کرده پس از سرد تمامی کار[کذا]
همچو دل اندر تن دهلی قرار
چون ز سر شوق در آن جای ساخت
دهلی ازو کوس ولایت نواخت
دائره ای ساخته پهلوی نهر
حسن دگر یافته زو رُوی نهر
باعث آسایش برنا و پیر
سایه در آن فرش برنگ حصیر
تکیه گه اهل یقین ساخته
فقر در آن گوشه نشین ساخته
دهلی ازو معرفت آباد باد
روح بزرگانش همه شاد باد[۳۹]

یہ وہی سید محمد شفیع ہیں جن کا ذکر حبیب اللہ نے ذکر جمیع اولیای دہلی میں کیا ہے۔ وہ سلسلۂ چشتیہ میں شیخ پیر محمد لکھنوی (رمضان ۱۰۲۷۔ ۱۴ جمادی الثانی ۱۰۸۵ھ) کے مرید تھے۔ چالیس سال تک شاہ جہان آباد (دہلی) میں "فیض نہر" کے کنارے ڈیرہ رکھا۔ ان کی تاریخ وفات ۱۹ محرّم ۱۱۰۹ھ ہے۔ فدائی خان کوکہ نے شیخ پیر محمد لکھنوی کے لیے دریاے گومتی کے کنارے ایک مسجد بنوائی تھی اور فدائی خان کی بیٹی لاڈلی بیگم نے سید محمد شفیع کا

روضہ مع بارہ دری بنوایا تھا۔[40]

لایق نے جن دوسرے بزرگ محمد رضا کا ذکر کیا ہے وہ بھی درویش صفت، گوشہ نشین تھے۔ فقر و فنا میں ان کے بدن کا گوشت سوکھ چکا تھا اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے۔

گوشہ گرفت از پی راہ داشتن
چشم و دل از غیر نگہ داشتن
گوشۂ بی توشۂ ہم چشم کور
وسعت او تنگ تر از چشم مور
بود در آن گوشہ ای بی ساز او
یاد خدا آینہ پرداز او
بود در آن زاویہ گرمِ طلب
بی خور و بی خواب، چہل روز و شب
بر تنش از گوشت نماندہ نشان
پوست شدہ پیرہن استخوان[41]

سرِ دست محمد رضا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا، اغلب ہے کہ دہلی ہی میں رہتے تھے۔

شاعر نے ایک مفصل نظم تعریفِ سخن لکھی ہے (صفحات ۱۱۲۔۱۱۷) اس میں وہ آرزو کرتے ہیں کہ کاش اس دنیا میں ان کی شاعری کا کوئی قدر شناس ہوتا جو ان کے شعروں پر غور کرتا اور داد دیتا۔ ان کی زبان سے کوئی مصراع سنتا تو تحسین کرتا، شاعری میں کوئی برگ گل تراشتا تو اس قدر شناس کی آنکھوں سے قبولیت کا رنگ جھلکتا دیکھتا۔

لایق ازین بزم کہ پُر گفت و گوست
قدر شناس سخنم آرزوست
تا ز تامل بسر انگشتِ داد
عقدہ ای از زلف سخن می گشاد
مصرعکی گر ز لبم می شنید
غازۂ تحسین بہ رخش می کشید

برگ گلی را کہ تراشیدمی
رنگ قبول از نظرش دیدمی[۴۲]

اسی نظم میں شاعر گلہ کرتا ہے کہ کسی معنی شناس سامع کی خواہش میں اس کی سخن ہاے نو بھی پرانی ہو گئی ہے:

در ہوس سامع معنی شنو
کہنگی آورد سخن ہای نو
معنی بیگانۂ رنگین ادا
سوخت نفس در طلب آشنا[۴۳]

شاعر نے بہت سی حکایتیں نقل کی ہیں۔ لیکن کہیں اپنا ماخذ نہیں بتایا۔ صرف ایک جگہ لکھا ہے کہ (عطار کے) تذکرۃ الاولیا سے رابعہ بصری کی حکایت نقل ہے (صفحہ ۱۷۲)۔

لایق نے اپنے ممدوح اورنگ زیب عالمگیر کی عمر ستر سے اوپر لکھی ہے:

زندگیش گرچہ ز ہفتاد سال
پیش نہادہ است قدم را بفال[۴۴]

اورنگ زیب کی تاریخ ولادت ۱۰۲۷ھ / ۱۶۱۸ء ہے اور وہ ۱۰۹۷ھ / ۱۶۸۸ء میں ستر سال کے ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اس مثنوی کا سال تصنیف ۱۰۹۷ھ / ۱۶۸۸ء یا اس کے آس پاس قرار دیا جاسکتا ہے۔ مثنوی سادہ پر کار میں لایق نے سید محمد شفیع شاہجہان آبادی کے نام کے ساتھ "سلمہ اللہ" لکھا ہے۔ سید صاحب کی وفات محرم ۱۱۰۹ھ / جولائی ۱۶۹۷ء میں ہوئی۔ اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ یہ مثنوی بہر حال ۱۱۰۹ھ سے پہلے تصنیف ہوئی ہو گی۔ لایق نے یہ مثنوی کہتے وقت اپنی عمر پینسٹھ سال بتائی ہے۔ اگر ہم ۱۰۹۷ھ ہی کو سال تصنیف مان لیں تو لایق کی ولادت ۱۰۳۲ھ کے لگ بھگ قرار دی جاسکتی ہے۔

(V)

صاحب زادہ عبد المعید خان کا یہ کہنا درست نہیں کہ نسخۂ ٹونک، مثنوی سادہ پر کار کا واحد نسخہ ہے۔ اس کا ایک اور نسخہ کتب خانہ رضا رامپور میں موجود ہے (شمارہ کتاب ۴۲۹۲، ردیف کتاب خانہ ۶۶۴۱م)۔ اس کا سنہ کتابت ۳ جلوس محمد شاہی (مطابق ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۱ء) ہے اور یہ ۷۷ ورق پر مشتمل ہے۔ کتب خانہ رضا رامپور کے مخطوطات کی فہرست میں اسے لایق کی مثنوی دستور ہمت کے نسخوں کے ساتھ محمد مراد لایق جونپوری کی تصنیف کے طور پر متعارف کیا گیا ہے۔[۴۵]

سادہ پر کار نام سے ایک اور فارسی مثنوی بھی پائی جاتی ہے جسے یوسف علی بن محمد حسینی جرجانی استر آبادی مشہور بہ درویش یوسف کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ یہ ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں تصنیف ہوئی۔ کتب خانہ رضا رامپور میں اس کا نسخہ بھی موجود ہے (شمارہ کتاب ۴۲۵۳، ۳۸ورق)۔[۴۶]

تذکروں کے حوالے سے ذکر ہو چکا کہ محمد مراد لایق جونپوری نے خمسہ لکھا تھا۔ اس کی پانچ فارسی مثنویات الگ الگ دستیاب ہیں، بعید از قیاس نہیں کہ یہی مثنویات اس کے خمسہ کا حصہ ہوں۔ مثنوی سادہ پر کار کے بارے میں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ خمسۂ نظامی کی مثنوی مخزن اسرار کا جواب ہے۔[۴۷] لایق کی دستیاب دیگر مثنویات یہ ہیں:

۱۔ مثنوی دستور ہمت، یہ کام روپ و کام لتا کی داستان ہے۔ یہ پہلے دستور ہمت نام سے میر عیسی مخاطب بہ ہمت خان بن اسلام خان مشہدی نے فارسی نثر میں لکھی تھی۔ ہمت خان اورنگ زیب کی طرف سے متعدد عہدوں پر فائز رہا۔ اس کا آخری عہدہ اجمیر میں "بخشی اوّل" تھا جو اسے ۴ نومبر ۱۶۸۰ء کو عطا ہوا اور دو ماہ بعد ۵ محرم ۱۰۹۲ھ / ۱۶ جنوری ۱۶۸۱ء کو وہ اجمیر میں انتقال کر گیا۔[۴۸] اس نے محمد مراد لایق سے کہا کہ وہ اس منثور داستان کو خسرو و شیرین کی بحر (بحر ہزج مسدس محذوف) میں فارسی نظم میں ڈھال دے۔

بکن زین داستانی شور انگیز
بہ بحر خسرو و شیرین شکر ریز[۴۹]

ہمت خان خود تو انتقال کر گیا لیکن لایق نے اس کی خواہش کو ۱۰۹۶ھ (مادّہ ہای تاریخ: ہمت خان / نقش دل خواہ) / ۱۶۸۵ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔[۵۰]

چو سال ختم کردم انتخابش
بہ "ہمت خان" موافق شد حسابش
چون این صورت ز معنی گشت آگاہ
بشد تاریخش ختمش "نقش دلخواہ"

اس مثنوی کے متعدد قلمی نسخے دستیاب ہیں۔[۵۱] پاکستان میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، کتب خانہ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ ۸۷۳ مکتوبہ ۱۳ شوال ۱۱۳۴ھ؛ کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، شمارہ ۳ قف ۲۶۰، مکتوبہ ۱۱۴۲ھ؛ مرکزی کتب خانہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور، شمارہ ۸۹۵۶۔[۵۲] ہندوستان میں دو نسخے رضا رامپور لائبریری (شمارہ کتاب ۴۲۹۰، ۴۴۹۱) میں موجود ہیں۔[۵۳] ایک نسخہ ہارڈنگ لائبریری دہلی، شمارہ ۵۰ میں موجود

ہے۔[۵۴] ایک نسخہ سالار جنگ میوزیم اینڈ لائبریری حیدرآباد (شمارہ A/Nm 695) میں ہے۔[۵۵] برٹش میوزیم (اب برٹش لائبریری)، لندن، شمارہ Add.19624 میں بھی ایک نسخہ موجود ہے۔ نواب محمد ضیاء الدین احمد خان دہلوی متخلص بہ "نیّر رخشان" نے نومبر/دسمبر ۱۸۵۱ء میں پانچ فارسی کتابوں پر تعارفی یادداشتیں تیار کر کے سر ہنری ایلیٹ (Sir Henry Elliot 1808-1853) کو بھیجی تھیں۔ اس میں لایق کی دستور ہمت پر تبصرہ بھی شامل ہے۔ یہ یادداشتیں بھی برٹش میوزیم (شمارہ Or.1904) میں موجود ہیں۔[۵۶] میلبورن یونی ورسٹی اسٹریلیا (شمارہ MUL134)، مکتوبہ ۱۱۵۰ھ،[۵۷] کتب خانہ مجلس شورائے اسلامی، تہران، شمارہ ۱۳۹۵۶، مکتوبہ ۱۲ محرم ۱۲۳۱ھ نسخہ دراصل قصہ کام روپ و کام لتا کی منثور صورت ہے اور اس کے مصنف برج بلبھ فایز ہیں۔[۵۸]

۲۔ رانی کیتکی و سندر، یہ نظامی کی لیلی و مجنون کے وزن اور بحر ہزج مسدس اخرب میں ہے۔ یہ بزمیہ مثنوی ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء میں ختم کی۔

در سال ہزار و یک صد افزون
این قصۂ عشق گشت موزون

یہ ایک برہمن زادہ سُندر اور اوڑیسہ کے جے پال کی بیٹی رانی کیتکی کے معاشقے کی داستان ہے۔[۵۹] تخلص والا شعر یہ ہے:

"لایق" خبرت ز درد سر نیست
طومار شکایت این قدر نیست

اس کا ایک نسخہ، خط بارہویں صدی ہجری، ۵۳ ورق، پروفیسر مولوی محمد شفیع (۱۸۸۳۔ ۱۹۶۳ء)، لاہور کے کتب خانے میں ہوا کرتا تھا۔[۶۰] اب یہ کتب خانہ اجڑ چکا ہے اور معلوم نہیں نسخہ کہاں ہے۔

۳۔ شمع انجمن، یہ اورنگ زیب عالمگیر کے نام معنون ہے۔ مثنوی مولانا روم کی تقلید اور اسی بحر (رمل مسدس محذوف) میں چند منظوم حکایات ہیں۔ اس کا ایک نسخہ مرکزی کتب خانہ پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، شمارہ Pi VI 227/1165 میں موجود ہے۔[۶۱]

۴۔ ہیر و رانجھا، یہ نظامی کی لیلی و مجنون کے وزن اور بحر ہزج مسدس اخرب میں ہے اور ۱۰۹۶ھ (مادّہ تاریخ: نقش دل خواہ) میں تصنیف ہوئی۔ اس کا ایک نسخہ لاہور میں خان بہادر چوہدری شہاب الدین کے کتب خانے میں تھا جو پروفیسر مولوی محمد شفیع نے تقریباً ۱۹۲۵ء میں ان کے ہاں دیکھا تھا۔[۶۲] بعد میں یہ نسخہ خان صاحب پروفیسر قاضی فضل حق (م: ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ/۳۰ جولائی ۱۹۳۹ء)، لاہور کے پاس پہنچا اور انھوں نے اسے متعارف

کیا۔[63] قاضی صاحب کے صاحب زادے بذل حق محمود (۱۹۲۹۔ ۱۹۷۰ء) کے زمانے تک یہ نسخہ ان کے گھر میں موجود تھا لیکن آخر سے ناقص ہو چکا تھا۔ اسی نسخے سے انھوں نے منتخبات مثنوی ہیر و رانجھا پیش کیے۔[64] اس مثنوی میں شاعر کا تخلص "لایق" یوں آیا ہے:

"لایق" کہ نہ لایق بہشت است
شرمندہ بہ خود ز فعل زشت است

یہاں تک چار مثنویات ہوتی ہیں۔ مثنوی سادہ پرکار کو بھی ملا لیا جائے تو لایق کے خمسہ کہنے والی بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ آزاد بلگرامی جب لایق کی مثنوی در جواب مخزن اسرار سے اشعار نقل کر رہے تھے تو ان کا کہنا تھا: "چہار کتاب از خمسۂ او بنظر راقم الحروف رسیدہ"۔[65] یعنی لایق کے خمسہ کی چار مثنویاں ان کی نظر سے گذر چکی ہیں۔ کاش وہ ان کے نام بھی لکھ دیتے۔

لایق کی مثنویات اپنے زمانے میں خاصی مقبول تھیں، جیسا کہ پنجاب کے منشی مل رائے شوقی نے لایق کو خط لکھ کر استفادہ کے لیے دو مثنویاں طلب کی تھیں تا کہ ان کی نقل لے لیں:

ای مولوی زمانہ بے ریب
از مثنویت کلام را زیب
سرمایہ راستان حق بین
یعنی کہ دو داستان رنگین
کحلی است برای دیدۂ عقل
خواہم دو سہ روزی از پی نقل
زینگونہ دگر ہر آنچہ دارند
معجون خرد بہ من سپارند[66]

اس کے باوجود سوائے دستور ہمت کے، لایق کی دیگر مثنویات کے نسخے تا حال خال خال ہی معلوم ہیں۔
لایق کی مثنویات کے موضوعات پر ایک نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے خمسۂ نظامی کے جواب میں ایرانی کہانیوں کو موضوع سخن بنانے کی بجائے، وطنی داستانوں کو ترجیح دی۔ سادہ پرکار میں بھی کئی حکایات و واقعات مقامی لوگوں کے ہیں۔ اس سے لایق کی اپنے وطن ہندوستان سے وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اختر ہوگلی نے تذکرہ آفتاب عالمتاب میں لایق کی ایک رباعی درج کی ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مثنویات سے ہٹ کر بھی

لایق کا کلام ہے، لیکن ہمیں تاحال لایق کے اشعار کے کسی مدوّن مجموعے (دیوان) کا کہیں سراغ نہیں ملا۔

لایق جونپوری کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔ افتخار دولت آبادی نے لکھا ہے: در عشرۂ ثانی بعد مائۃ والف در لاہور بر صدر حیات تمکن داشت۔[٦٧] یعنی گیارہ سو (ہجری) کے دوسرے عشرے [یعنی ۱۱۱۱ھ اور ۱۱۲۰ھ کے درمیان] میں وہ لاہور میں بقید حیات تھے۔ اس کے بعد وہ کتنا عرصہ زندہ رہے؟ سر دست کچھ معلوم نہیں ہے۔

لایق کا لاہور اور دہلی میں قیام پذیر ہونا معلوم ہے۔ ایک معاصر مقامی روایت کے مطابق لایق کی وفات جونپور میں ہوئی اور ان کی قبر جونپور میں حوض خاص سے شمال مغرب میں ۱۹۶۳ء میں نہایت شکستہ حالت میں موجود تھی۔[٦٨]

لایق کے معاملے میں یہ پہلی بار نہیں ہوا کہ اس کی کتابیں دوسروں سے منسوب ہو گئی ہوں۔ مثنوی ہیر و رانجھا کے نسخۂ لاہور کے کاتب نے اسے امیر خسرو سے منسوب کیا ہے۔[٦٩] اشپرنگر نے دستور ہمت (منظوم) کے تعارف میں "لایق" اور "ہمت" تخلص کے کئی شاعروں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ وہ ہمت خان بن اسلام خان کا تخلص "لایق" بیان کرتے ہیں اور تذکرۂ محمد یوسف کے حوالے سے لکھا ہے کہ "لایق "ہمت خان کے بیٹے خان جہان کا تخلص تھا۔ آگے چل کر محمد عاشق کا تخلص "لایق" بتایا ہے جو ہمت خان کے ملازمین میں سے تھا۔[٧٠] اسی لیے مارشل نے دستور ہمت کو محمد عاشق لایق کی تصنیف بتایا ہے۔[٧١] محمد عاشق گورکھپوری کا تخلص "ہمت" تھا اور وہ ہمت خان بہادر ولد خان جہان بہادر کوکلتاش خان عالمگیری (م: ۱۱۰٦ھ / ۱٦۹۴ء) کا ملازم تھا۔[٧٢] منزوی نے دستور ہمت کے مصنف کا نام میر محمد کاظم حسینی حیدر آبادی لایق جونپوری! لکھا ہے اور اشاریے میں بھی اسی طرح اندراج کیا ہے (ص ۱٦۲۲) اور میر محمد مراد لایق جونپوری کو الگ رکھا ہے (وہی صفحہ)۔[٧٣] منزوی نے دراصل کام روپ و کام لتا کے نثری داستان نگار میر محمد کاظم حسینی حیدرآبادی اور فارسی نظم نگار لایق جونپوری کو ایک ہی شخص سمجھ لیا ہے۔

قاضی فضل حق مثنوی ہیر و رانجھا کا نسخہ متعارف کرتے وقت مسلسل گمان و تردید کا شکار رہے اور اس قصے کو "لایق" تخلص کے تین شاعروں سے منسوب کیا ہے، محمد مراد لایق، محمد عاشق لایق، خان جہان لایق بن ہمت خان۔[٧٤]

ما حصل:

کچھ شک و تردید نہیں کہ مثنوی سادہ پُرکار بیدل کی نہیں بلکہ میر محمد مراد لایق جونپوری کی تصنیف ہے۔ قدیم تذکروں سرو آزاد، گل رعنا، آفتاب عالمتاب، خازن الشعراء، ہفت آسمان میں اس مثنوی سے جو اشعار نقل ہوئے ہیں وہ لایق کی مثنوی کے طور پر ہوئے ہیں۔ وہی اشعار نسخۂ ٹونک میں بھی موجود

ہیں۔ نسخۂ ٹونک کے ناشر اور مقدمہ نویس صاحب زادہ عبد المعید خان نے بلا تحقیق، مثنوی کے داخلی شواہد پر غور و فکر کیے بغیر اور خارجی مآخذ سے مدد لیے بغیر، محض نسخۂ ٹونک کے ترقیمے پر اعتماد کیا اور اسے بیدل کے نام سے شایع کر دیا۔ ایک ایسا ادارہ جو فارسی تحقیق کے نام پر قائم ہے، اس کے سربراہ کی طرف سے اس نوعیت کی بے اصل تحقیق کا شائع ہونا، افسوس ناک ہی کہا جاسکتا ہے۔ تحقیق و تنقید کے طالب علم ان سے یہ سوال کرنا چاہیں گے:

۱۔ جس مثنوی میں قدم قدم پر شاعر اپنا تخلص "لایق" بتلا رہا ہے، اسے بیدل کی مثنوی کیسے قرار دے دیا گیا؟

۲۔ کیا کسی تذکرہ نویس نے بیدل کی تصانیف کے ضمن میں مثنوی سادہ پر کار کا ذکر کیا ہے؟

۳۔ بیدل ایک مقبول عام شاعر ہیں اور ان کی تصانیف کے سیکڑوں قلمی نسخے برّصغیر اور دنیا کے ہر اہم کتب خانے میں موجود ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ مبینہ طور پر بیدل کی مثنوی سادہ پر کار کا بقول صاحب زادہ صاحب ایک ہی نسخہ موجود ہے؟ (صاحب زادہ صاحب کو نسخۂ رام پور کا علم نہیں ہے۔) گویا صاحب ذوق کاتبوں اور قارئین نے بیدل کی اس مثنوی کو قطعاً درخور اعتنانہ سمجھا اور اس کی زیادہ نقلیں تیار نہ ہوئیں!

۴۔ سب سے اہم سوال یہ ہے، کیا صاحب زادہ صاحب نے مثنوی سادہ پر کار کے اسلوب کا بیدل کی مسلمہ مثنویات کے اسلوب کے ساتھ تقابل و تطابق کیا؟ اور انھیں اس میں کوئی مماثلت نظر آئی؟

حقیقت یہ ہے کہ صاحب زادہ صاحب نے جس مثنوی کو بیدل کے نام پر منظومۂ شاہکار فارسی جیسے بلند بانگ نعرے کے ساتھ شائع کیا ہے، وہ بیدل کے معاصر شاعر میر محمد مراد لایق جونپوری کی تصنیف ہے جو بیدل کے مقابلے میں کمتر درجے کے شاعر ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ اس مثنوی کا عکسی نسخہ دوست گرامی سید فیض الرحمان رائد قریشی صاحب نے غزنی، افغانستان سے بھیجا جس کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔

۲۔ عبدالمعید خان، ص ۲۷

۳۔ بیدل [کذا: لایق]، ص۴۹

۴۔ ایضاً، ص ۵۶

۵۔ ایضاً، ص۵۸

۶۔ ایضاً، ص ۱۰۶

۷۔ ایضاً، ص ۱۸۷

۸۔ ایضاً، ص ۱۸۸

۹۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۸۸

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۷۔ ۷۰ ملخصًا

۱۲۔ محمد اکرم اکرام، ص۳۷۲، لایق تخلص کے کئی شعرا کا ذکر ہوا ہے۔ میر محمد مراد لایق جونپوری کے بارے میں لکھا ہے کہ عہد اکبری کے شاعر تھے۔ یہ بات غلط ہے۔ اختر، ج۲، ص۴۹۶۔۴۹۸؛ احمد دیوان بیگی، ج۲، ص۱۴۹۴؛ سید عبداللہ، ص۲۲۳؛ محمد اشرف، ج۵، ص۳۱۸

۱۳۔ آزاد بلگرامی، ص ۲۵۷۔ ۲۵۸

۱۴۔ میرزا محمد علی صائب تبریزی ثم اصفہانی(حدود ۱۰۱۰–۱۰۸۱ھ)مشہور فارسی گو شاعر، جنھوں نے اپنے عہد اور مابعد بھی شعرا کو بہت متاثر کیا اور شاعری میں اپنے الگ اسلوب کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ صائب ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۵ء میں اصفہان سے عازم ہندوستان ہوئے اور کابل سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے اور ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰۔۱۶۳۱ء تک ہندوستان میں رہے اور پھر واپس اصفہان چلے گئے اور وہیں وفات پائی(صفا،ج۵، ص۱۲۷۱۔ ۱۲۷۹)۔ اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ لایق ۱۰۴۰ اور ۱۰۸۷ھ کے درمیان اصفہان گئے ہوں گے۔

۱۵۔ حکیم شرف الدین حسن شفائی اصفہانی(۹۶۶۔ ۱۰۳۷ھ)طبیب اور شاعر تھے۔حاضر جوابی،بدیہہ گوئی اور ہجونویسی ان کا خاصہ تھا۔ (صفا، ج۵، ص ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۸)

۱۶۔ آزاد بلگرامی،(طبع لاہور)، ص۲۵۷۔۲۵۸؛(طبع تہران)ص۳۷۷۔۳۷۸؛ شفیق اورنگ آبادی،(نسخہ انجمن)، ص ۹۶۲۔۹۶۳؛(نسخہ پنجاب)،ورق ۲۵۵ب۔۲۵۶الف؛اختر،ج۲،ص۴۹۷۔۴۹۸؛ محمد میرن جان محمدی الہ آبادی، ص۲۴۶۔۲۴۷

۱۷۔ بیدل [کذا: لایق]، ص ۱۸۷

۱۸۔ محمد میرن جان محمدی الہ آبادی، ص۲۴۶

۱۹۔ ایضاً، ص ۵۰

۲۰۔ ایضاً، ص۵۰

۲۱۔ ایضاً، ص۷۱

۲۲۔ نسخہ ٹونک میں قترہ زدن ہی لکھا ہے۔ اگر یہ واقعی قترہ ہے تو اس کا مطلب ہے سیاہ گاڑھا دھواں یا غبار، تاریکی، سیاہی۔ اگر کاتب کی غلطی ہے اور قطرہ زدن ہے تو اس ترکیب کا مطلب تیز تیز چلنا اور دوڑنا ہے۔ (لغت نامہ دہخدا)

۲۳۔ ایضاً، ص۵۰

۲۴۔ ایضاً، ص۵۱

۲۵۔ ایضاً، ص ۶۲، ۶۵

۲۶۔ ایضاً، ص۶۳

۲۷۔ ایضاً، ص ۶۲

۲۸۔ ایضاً، ص۵۴، لایق نے مثنوی ہیرورانجھا میں بھی ایک نعتیہ شعر کے ضمن میں یہ شعر کہا ہے:

صد نعت و درود بر روانت / بر آل و اصحابِ پیروانت

۲۹۔ ایضاً، ص ۹۱

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۵۵۔ ۱۵۶

۳۱۔ ایضاً، ص ۷۳

۳۲۔ ایضاً، ص ۷۴

۳۳۔ ایضاً، نسخے میں فراخ ہے۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۷۴

۳۵۔ ایضاً، ص۷۱، نظامی، خسرو، جامی سے اظہار عقیدت لایق کی مثنوی ہیرو رانجھا میں بھی ملتا ہے:

من جرعہ خور ز جام جامی / من بندہ خسرو و نظامی

۳۶۔ بیدل [کذا: لایق]، ص ۸۷

۳۷۔ ایضاً، ص ۸۷۔۷۹

۳۸۔ ایضاً، ص ۸۱۔۸۳

۳۹۔ ایضاً، ص ۸۳۔۸۵

۴۰۔ ایضاً، ص ۸۱۔۸۳ ملخصاً

۴۱۔ حبیب اللہ، ص ۱۰۸۔۱۰۹، سید محمد شاعر بلگرامی نے بھی تبصرۃ الناظرین میں ۱۱۲۶ھ کے واقعات کے ضمن میں شیخ پیر محمد لکھنوی اور ان کے مرید میر محمد شفیع کا ذکر کیا ہے۔ میرزا سنگین بیگ نے سیر المنازل میں فیض نہر کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ دہلی میں قلعہ مبارک کے لاہوری دروازے سے مسجد فتح پوری تک، بازار کے درمیان فیض نہر جاری ہے (ص ۴۳، ۱۸۷، ۱۸۸)۔

۴۲۔ بیدل [کذا: لایق]، ص ۸۳

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۱۵

۴۴۔ ایضاً، ص ۱۱۵

۴۵۔ ایضاً، ص ۶۹

۴۶۔ مہدی خواجہ پیری، وقار الحسن صدیقی، ج ۲، ص ۴۹۶

۴۷۔ ایضاً، ۴۸۶

۴۸۔ دیگر حوالوں کے علاوہ جن کا متن میں ذکر ہو چکا ہے، نیز: انجم حمید، ص ۲۷۳۔۲۷۵

۴۹۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان، ج ۳، ص ۵۶۹۔۵۷۰

۵۰۔ نور الحسن انصاری، ص ۲۵۶

۵۱۔ طاہرہ صدیقی، ۱۱۷۔۱۲۳؛ ریو، ج ۲، ص ۶۹۷

۵۲۔ پروفیسر شریف حسین قاسمی نے اپنی انگریزی کتاب، ہندوستانی کتب کے فارسی تراجم کی وضاحتی فہرست میں کام روپ و کام لتا قصے پر مبنی کئی فارسی تراجم کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ہمت خان اور لایق کی دستور ہمت بھی شامل ہے۔ ہمت خان کی دستور ہمت کے تعارف میں پروفیسر قاسمی سے یہ سہو ہوا کہ وہ لکھتے ہیں ہمت خان نے یہ قصہ نثر اور نظم دونوں میں لکھا (ص ۴۶) حالانکہ انھوں نے صرف نثر میں لکھا تھا اور لایق سے اسے منظوم کرنے کے لیے کہا تھا۔ اسی فہرست میں لایق کی دستور ہمت کا سال تصنیف ۱۰۶۹ھ (ص ۴۷) یقیناً کتابت کی غلطی ہے اور اعداد آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔ پروفیسر قاسمی نے اس فہرست میں ہمت خان اور لایق کی دستور ہمت کا ذکر دو بار، دو الگ الگ مقامات پر کیا ہے اور معلومات میں تکرار ہے (دیکھیے: صفحات ۴۶، ۴۷، ۱۵۹)

۵۳۔ عارف نوشاہی (انجمن) ۱۵۳۔۱۵۴؛ عارف نوشاہی (پنجاب) ج ۲، ص ۱۰۳۲؛ احمد منزوی (مشترک)، ج ۷، ص ۹۴۴۔۹۴۷؛ احمد منزوی (فہرستوارہ)، ج ۱۱، ص ۱۰۴۳

۵۴۔ مہدی خواجہ پیری، وقار الحسن صدیقی، ج ۲، ص ۴۹۵۔۴۹۶، فہرست میں سال تصنیف ۱۱۱۵ لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔

۵۵۔ نور الحسن انصاری، ۲۵۵؛ حسن ذوالفقاری، یکصد منظومہ عاشقانہ فارسی نشر چرخ، تہران، ۱۳۹۴ شمسی میں کتاب پر تبصرہ موجود ہے۔

۵۶۔ محمد اشرف، ج ۵، ص ۱۹۷۔۱۹۸

۵۷۔ ریو، ج ۲، ص ۶۹۷، ج ۳، ص ۱۰۳۴

۵۸۔ http://vm.arts.unimelb.edu.au/report/mesmlist.html

۵۹۔ احمد رضا یلمہ ہا، زیبا فلاحی، ص 177-157، مقالہ نگاروں کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے اور وہ نسخۂ مجلس شورای اسلامی تہران، شمارہ ۱۳۹۵۶ کو فایز نظر [کذا] کی کوشش سے لایق کی مثنوی کا از سر نو مرتب شدہ نسخہ قرار دیتے ہیں (سرایندۂ اصل منظوم آن میر محمد مراد لایق جونپوری است کہ ہرج بلہتہ متخلص بہ فایز نظر آن را گردآوری نمودہ، ص ۱۵۷)۔ نسخۂ مجلس فایز کا منثور قصہ ہے جس میں وہ موقع بموقع اشعار لائے ہیں۔ دوسری دلچسپ بات یہ کہ فایز نے سبب تالیف میں ایک جملہ لکھا ہے: برج بلہہ المتخلص بہ فایز، نظر بر تخفیف محنت سامع و قاری، قلم ایجاز نگار را بہ تحریر انتخاب و اختصار قصہ کام روپ و کام

لتا متوجه می سازد۔(ورق ۱۱الف نسخہ تہران)۔یعنی برج بلہہ تخلص فایزنے، سامع اور قاری کی محنت کم کرنے کی خاطر [نظر بہ تخفیف محنت سامع و قاری] یہ قصہ اختصار سے لکھا ہے۔ مقالہ نگاروں نے لفظ " نظر " کو مصنف کے تخلص کا حصہ بنا کر پورے مقالے میں اس کے نام کا حوالہ "فایز نظر " دیا ہے۔ مقالہ نگاروں نے برج بلہہ کو ھرج بلتہ لکھا ہے اور نسخۂ مجلس کے ہندو کاتبوں کے نام بھی غلط سلط (رای سیوک رام دورای ہیکداخ ابن رای صین رای) پڑھے ہیں!فایزنے یہ قصہ ۱۱ذی الحجہ ۷ جلوس محمد شاہ (مطابق ۱۱۳۷ھ) کو بلدۂ دارالسرور (نام نہیں لکھا، شاید دہلی) تصنیف کیا جس کا اظہار خاتمہ کتاب پر موجود ہے۔ہندو کاتب گھنشام داس نے اس کی ایک نقل نواب خواجہ لطیف اللہ خان کے حکم پر، نواب میر نظام علی خان بہادر فتح جنگ نظام الملک آصف جاہ کی عمل داری میں ۲۱ ربیع الثانی ۱۲۱۴ھ کو تیار کی۔ گھنشام داس کے نسخہ سے مزید ایک نقل ہندو کاتب رائے سیوک رام ولد رائے لیکھراج بن رائے چنن رائے نے ۷ ذی الحجہ ۱۲۳۰ کو شروع کر کے ۱۲ محرم ۱۲۳۱ کو ختم کی۔ یہی نقل اب کتابخانہ مجلس شورائے اسلامی میں موجود ہے اور راقم السطور کی نظر سے گذر چکی ہے۔ فایز کے قصے کی ایک اور نقل انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، شمارہ ۳ قف ۲۶ میں بھی راقم السطور دیکھ چکا ہے۔ عارف نوشاہی (انجمن)، ص ۱۷۷

۶۰۔ طاہرہ صدیقی، ۱۵۰۔۱۵۲

۶۱۔ بشیر حسین، ص ۱۷۸۔۱۷۹؛ احمد منزوی (مشترک)، ج ۷، ص ۹۴۷؛ احمد منزوی (فہرستوارہ)، ج ۱۱، ص ۱۰۹۰۔۱۰۹۱

۶۲۔ عارف نوشاہی (پنجاب)، ج ۲، ص ۱۰۳۵۔ احمد منزوی (مشترک)، ج ۷، ص ۹۴۷؛ تعجب ہے ایرانی فہرست نگار احمد منزوی نے ۱۹۷۲ء میں اپنی ایک فہرست میں لایق کی شمع انجمن کے نسخوں کی تفصیل بتاتے ہوئے سہواً کسی اور مثنوی کے ایسے نسخوں کا ذکر کیا ہے جو لایق کی ولادت اور شمع انجمن کے تصنیف ہونے سے بہت پہلے، ۹۳۰۔۹۴۰ھ، ۱۰۱۰ھ، ۱۰۱۵ھ، ۱۰۳۶ھ میں لکھے ہوئے ہیں (فہرست نسخه ہای خطی فارسی، ج ۴، ص ۲۹۶۹۔۲۹۷۰)۔ فہرست نویس موصوف نے کئی سال بعد ۲۰۱۲ء میں اپنی اسی غلطی کا اعادہ فہرستوارہ کتاب ہای فارسی، ج ۱۱، ص ۱۴۲۶ میں بھی کیا ہے۔ یقیناً یہ کسی دوسرے مصنف کی کسی مثنوی کے نسخے ہیں جو کمپوزنگ کے وقت غلطی سے لایق کی شمع انجمن کے ساتھ خلط ہو گئے ہیں۔

۶۳۔ محمد شفیع (۱۹۵۷ء)، ص ۱۶۸۔۱۶۹؛ محمد شفیع (۱۹۷۲ء)، ص ۳۸۸

۶۴۔ محمد باقر، ج ۱، ص ۹۸۔۱۰۷؛ احمد منزوی (مشترک)، ج ۷، ص ۹۴۸؛ احمد منزوی (فہرستوارہ)، ج ۱۲، ص ۲۱۸۰

۶۵۔ بذل حق محمود، ص ۵۶۔۷۰

۶۶۔ آزاد بلگرامی، ص ۲۵۷

۶۷۔ شوقی کا یہ خط اس کی کتاب گلدستۂ سخن، نسخۂ خدا بخش لائبریری پٹنہ، شمارہ ۸۵۹ ورق ۱۰۵ میں درج ہوا ہے۔ بحوالہ نور الحسن انصاری، ص ۲۵۸

۶۸۔ افتخار دولت آبادی، ص ۱۰۶

۶۹۔ اقبال احمد، ص ۴۴۴۔۴۴۳، انھیں لایق کے بارے میں ایک واقعہ سمجھنے میں سخت غلطی ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ لایق حصول شاعری کے لیے اصفہان سے پیدل چل کر دہلی آئے، جب کہ معاملہ اس کے اُلٹ ہے۔

۷۰۔ قاضی فضل حق، ۹۹

۷۱۔ ایضاً، ۱۰۰

۷۲۔ مارشل، ص ۲۶۹

۷۳۔ محمد عاشق ہمت کے لیے دیکھیے: نفایس المآثر، مجمع النفایس، سفینہ خوشگو، نشتر عشق، حدیقہ ہندی۔ ہمت خان کے لیے دیکھیے: صمصام الدولہ شاہنواز خان، ج ۳، ص ۵۷۰۔۵۷۱

۷۴۔ احمد منزوی (فہرستوارہ) ج ۱۱، ص ۱۰۴۳، ۱۶۲۲

۷۵۔ قاضی فضل حق، ص ۱۰۱

۲۴

یا نمود در توحید باری عز اسمه

رب یسر بسم الله الرحمن الرحیم و تمم بالخیر

بسم الله الرحمن الرحیم | مصرع موزون کتاب کرم
مصرع برجستهٔ دیوان راز | شاهد دین را سیه ابروی ناز
مشک فشان گیسوی رخسار حور | از پی کاشانهٔ دل شمع نور
اهل نظر دیده ازو حرف حرف | فیض دو عالم نگاه شگرف
حسن معانی ز حروفش عیان | دیدهٔ و دل دیده ازو کام جان
در بر این دلبر مشکین نقاب | پرده نشین است مه و آفتاب
از حرکات خوشش آرام دل | وز نقطش انجم گردون خجل
گرچه بظلمت ز رقم داده تن | آب حیاتست ازو موج زن
نیست ز یکسطر بصورت فزون | تا همه در کش خرد ذوفنون
هست پی کشتن دیو لعین | تیغ ظفر جوهر نصرت قرین
جامع اسم صفت و ذات شد | فهم همه در صفتش مات شد

می دهد از لفظ بمعنی کلام زود تر از نکهت گل با مشام

می برد از طرز بمطلب سراغ گرمتر از نشئه می با دماغ

دید که فکر سخنم [illegible] دل کرد و در ستاندیشه است

گفت سخن ساده و پرکار به تا بکشش سبحه و زنار به

بس بود از بهر سخن دو گواه معنی یکتا نه دو لفظ آشنا

گفتن او فکر مرا تازه کرد روی سخن را ز نفس غازه کرد

شد ز پری خانهٔ دل جلوه گر خیل معانی ز پی یکدگر

فیض سخن [illegible] دهد ایمنی از دخل فضولش دهد

بسته ام القصه اساس سخن بر کرم قدرشناس سخن

گرچه درین کار بسی ماهر اند طرزشناسان سخن کمتر اند

بیتی اگر خوش کند اهل سخن ناطقه بر خویش ببالد چو من

شاد نشود گر دلی از گفته ام جمع شود خاطر آشفته ام

لایق ازین نظم که جان پرور است سامعه بر ناطقه تحسین گر است

تمت تمام نسخهٔ ساده و پر کار من تصنیف میرزا عبدالقادر بیدل

سلمه الله

و ابقاه

م

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب .... مثنوی سادہ پرکار (فارسی)

مصنفہ .... مرزا عبدالقادر بیدلؔ عظیم آبادی

مقدمہ .... صاحبزادہ عبدالمعید خاں، ڈائرکٹر

ایڈیشن .... اول

سال اشاعت ۲۰۱۱ء

تعداد ۲۵۰

مطبع .... نوجیون پرنٹرس اینڈ اسٹیشنرس، ٹونک

بہا 131/-

ناشر

راجستھان مولانا ابوالکلام آزاد

عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک

۲۰۱۱ء

Abstract

This article aims at providing credible details about the real author of Persian mathnavi *Sada-o Purkar.* This article quoted many couplets from the work evidencing to prove that work is authored by Laiq Jonpuri instead of Abdul Qadir Bedil. The poet was alive when Aurangzaib Aalmgir reigned. Aurangzaib was then seventy-year-old and the peot prayed for him to live until one hundred twenty years. There had been many poets whose pen name was Laiq. But, Laiq Jonpuri was the poet who composed the work. The work dealing with subjects ranging from ethics and Sufism (taswwuf). It also mentions multiple reasons for misconceptions leading to it. The manuscript preserved in Tonk, India has the name of Abdul Qadir Bedil as its author in the colophon (tarqima) of the work. This is a facsimile edition which was edited in 2011 by Sahibzada Abdul Moeed Khan, Director, Rajhistan Maulana Abdul Kalam Azad Arabic Persian Research Institute, Tonk, India. Its editor has written 22 pages preface in which Abdul Qadir Bedil has been attributed at its poet.

Keywords: Laiq Jonpuri, Abdul Qadir Bedil, Persian Mathnavi *Sada-o Purkar*.